© rasailojaraid.com

جناب محمد منیر قمر سیالکوٹی

ترجمان سپریم کورٹ الخبر (سعودی عرب)

مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت دنیا کی مذہبی، اخلاقی، تمدنی اور سیاسی حالت

زیر نظر مضمون ادارہ کو اس وقت ملا، جب ربیع الاول کا شمارہ پریس میں جارہا تھا۔ اسی لئے یہ ربیع الآخر میں شائع کیا جارہا ہے۔

(ادارہ)

شبِ ظلمت ۔۔ ولادت و بعثت کے وقت دنیا کی مذہبی حالت ۔۔ اجمالی خاکہ

عربوں میں مثل مشہور ہے:

"تعرف الاشیاء باضدادھا"

کہ "ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔"

اور بقول سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ:

"اگر یہ سچ ہے کہ دنیا کی ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے، بارش کی خنکی سخت حبس کے بعد ہی زیادہ خوشگوار معلوم ہوتی ہے، روشنی کی پوری قدر شبِ تار ہی میں ہوتی ہے، اور فضا جس قدر تاریک ہو، بجلی کی چمک اتنی ہی زیادہ درخشاں نظر آتی ہے۔ تو اس میں شبہ نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اصلاحی تحریک کی وقعت وعظمت کے جانچنے میں یہ لحاظ رکھنا چاہیے کہ دنیا اس وقت کتنی گمراہی میں مبتلا اور اصلاح کی محتاج تھی۔ اور ایسی اصلاح کی محتاج تھی، جس کے لئے پیغمبرانہ دست وبازو کی حاجت تھی۔”

لہٰذا آیئے نبی اکرم ﷺ کی ولادت وبعثت اور ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کی تمدنی، مذہبی اور اخلاقی حالت کا جائزہ لیں۔ اس سلسلہ میں تاریخ شاہد ہے کہ اس وقت کی دنیا کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ وہ ایک ایسا کرہ ارض تھا، جس پر آفتاب نہیں چمکتا تھا، تو بالکل سچ ہوگا۔ کیونکہ تمام دنیا میں سچے اور صحیح عقیدہ کا کہیں وجود نہ تھا۔ توحید کی روشنی سے دنیا کا ذرہ ذرہ محروم تھا۔ مصر، یونان، روم وغیرہ ممالک میں سورج، چاند اور ستاروں کی خدائی تھی۔ انہی کے معبد تھے اور انہی کے ناموں پر بے گناہ انسانوں اور جانوروں کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں، ہر جگہ پتھر کی مورتوں، مٹی کی صورتوں اور سونے چاندی وجواہرات کے بتوں کی پوجا کی جاتی تھی۔

آپ سوچیں گے کہ پہلے انبیا علیہ السلام اور مصلحین کی تعلیمات کیا ہوئیں؟ --- جی ہاں یہ سچ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چھ سو برس پہلے تزکیۂ نفس کے کچھ درس دیئے تھے، مگر مدت ہوئی دنیا اس سبق کو بھلا چکی تھی۔ یہ بھی سچ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے بھی بیشتر ہدایت ونجات کی شمع روشن کی تھی، لیکن فتنوں اور ہنگاموں کی آندھی میں یہ چراغِ طور بھی جل کر گل ہو گیا تھا۔

ہر قوم دوسری قوم سے برسرِ پیکار اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کے خون کا پیاسا تھا۔ حرص وطمع اور کشت وخون کی گرم بازاری تھی۔ نفسِ انسانی کی ملکوتی طاقت سفلی جذبات کے سامنے پامال ہو چکی تھی۔ عدل و راستی اور پاکبازی و پارسائی کی خوشبو انسان کے جامہ خاکی سے اڑ چکی تھی۔ توحید وخداپرستی کا نور دیوی دیوتاؤں، شہیدوں، ولیوں اور ستاروں یا مجسموں کی پرستش کی گھمبیر تاریکی میں چھپ گیا تھا۔ غرض دنیا کے حالات ہر طرح سے اس ضرورت کے متقاضی تھے کہ کوئی مصلحِ عالم، معلمِ اخلاق، داعی حق اور بنی نوع انسان کا نجات دہندہ اس شان سے وجود میں آئے کہ عرصہ دراز سے پراگندہ ومنتشر ہو چکنے والے شیرازہ انسانیت کو پھر سے منظم کردے اور روحانیت وخداپرستی کے خزاں رسیدہ باغ کو از سرِ نو پر بہار کردے --- دنیا کے ظلمت کدہ کو پھر سے مطلع انوار بنادے۔ یہ اسی شبِ ظلمت کی داستان یا اسی عہد کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذہبی حالات کا ایک سرسری و اجمالی خاکہ ہے جس میں ہمارے رسول ﷺ کی بعثت ہوئی۔

بوقتِ ولادت دنیا کی سیاسی و اخلاقی ابتری:

نبی اکرم ﷺ کی ولادت و بعثت یا طلوعِ سعادت کے وقت اس روئے زمین کی اہم طاقتیں دو ہی تھیں۔ فارس اور روم' فارس کا مذہب مجوسیت تھا' جس کا دائرہ عراق سے لیکر ہندوستان کی سرحد تک محیط تھا۔ اور سلطنتِ روم کا مذہب عیسائیت تھا' جو یورپ' ایشیا اور افریقہ کے تینوں براعظموں کو گھیرے ہوئے تھا۔ مذہبی حیثیت سے دو اور قومیں یہود و ہنود بھی تھیں' جن میں سے ہر ایک کا اپنی اپنی جگہ قدامت کا دعوٰی تھا۔ دیارِ عرب کی پہلی ہمسایہ سلطنت فارس ہی تھی۔ جس کے تمدن کا ستارہ ایک زمانے میں اوجِ کمال پر تھا' مگر عہدِ بعثت سے سو ڈیڑھ سو سال پہلے سے ساسانی شان و شوکت اور کیانی جاہ و جلال مٹتے مٹتے سایہ سارہ گیا تھا۔ مسلسل بغاوتوں' سفاکانہ خون ریزیوں اور سیاسی بدامنیوں نے اس کو تہہ وبالا کر دیا تھا۔

مذہبی و اخلاقی اعتبار سے ایران میں بابل کے اثر سے ستارہ پرستی بہت عام تھی۔ اسی کا اثر ہے کہ ایرانی لٹریچر میں افلاک اور ستاروں کی کارفرمائی آج تک نمایاں ہے۔ اور اخلاقی پستی کا یہ عالم تھا کہ باپ کا بیٹی اور بھائی کا بہن کو اپنی زوجیت میں لے لینا معمولی بات تھی۔[۲] حتٰی کہ یزدگرد ثانی' جو پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں وہاں کا بادشاہ تھا' اس نے اپنی بیٹی سے عقد کیا تھا اور پھر اسے قتل کر ڈالا۔[۳] یہ اخلاق باختگی دیر تک جاری رہی۔

سنن ابی داؤد' کتاب الخراج والامارۃ والفئ' جلد دوم ۲۶ میں ہے کہ: "حضرت عمر فاروق ؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں حکم دیا کہ مجوسیوں کو اس فعلِ شنیع سے روکا جائے" اور اہلِ فارس کی بدعقیدگی یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ سلاطین و امراء درجہ بدرجہ رعایا کے دیوتا و خدا بنے ہوئے تھے اور ان کو سجدے کیے جاتے تھے۔[۴]

آغازِ اسلام کے وقت دوسری بڑی سلطنت روم تھی۔ یونان کے زوال کے بعد یہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت تھی اور رومتہ الکبرٰی کہلاتی تھی۔ مگر اب روم کی قبائے سلطنت بھی ایران سے کچھ کم کرم خوردہ نہ تھی' بلکہ چھٹی صدی عیسوی کے خاتمہ پر یعنی خاتم النبین ﷺ کی ولادت کے چند سال بعد تک روم اپنے زوال کے پست ترین نقطہ تک پہنچ چکا تھا۔ اور "تاریخ زوال وانحطاطِ سلطنتِ روم" کے مصنف گبن کے بقول:

"اس کی حالت بعینہٖ اس عظیم الشان درخت کی ہوگئی تھی' جس کے سایہ میں ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت تمام اقوامِ عالم آباد تھیں، مگر اس پر ایسی خزاں آئی کہ برگ و بار گرے۔ ساتھ اس کی شاخیں اور ٹہنیاں بھی رخصت ہو گئی تھیں ۔۔۔ اب خالی تنا خشک ہو رہا تھا اور کل کاروبار بند ہو گئے تھے۔ وہ بازار اور تماشاگاہیں، جہاں دن رات چہل پہل رہتی تھی اب ویران و سنسان پڑی تھیں۔[۵]

اس عام سیاسی و اخلاقی زوال و انحطاط کی طرح رومن چرچ کی مذہبی حالت بھی بہت پتلی ہو چکی تھی۔ اس پر ضعیف الاعتقادی، قبر پرستی اور شرک و بدعات نے یلغار کر دی ہوئی تھی، اور ان امور کا اعتراف خود عیسائی مصنفین و مؤرخین نے بھی کیا ہے اور جن کی تفصیلات گبن کی "تاریخِ زوال و انحطاطِ سلطنتِ روم"، جلد دوم و سوم، ڈریپر[۶] کی "تاریخِ معرکہ آرائی مذہب و سائنس" اور جارج سیل کے انگلش ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

اور ایسی ہی سیاسی، مذہبی اور اخلاقی ابتری و انار کی یہود و ہنود میں بھی پائی جاتی تھی۔ جس پر کتبِ تاریخِ یہود اور آر۔ سی۔ دت کی کتاب "ہندوستانِ قدیم" (جلد سوم) شاہد ہیں۔[۷]

طلوعِ صبحِ سعادت کے وقت عربوں کی مذہبی حالت :

ولادت و بعثتِ رسول ﷺ کے وقت دنیا کی مختلف قوموں کے سیاسی، مذہبی اور اخلاقی حالات کا سرسری جائزہ پیش کیا جا چکا ہے۔ اب ذرا ایک نظر اس خطہ عرب کے حالات پر بھی ڈال لیں، جس کے افقِ نبوت سے صبحِ سعادت طلوع ہونے والی تھی۔

مذہبی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم کا اثر تھا کہ قدیم عرب زمانہ دراز سے صرف معبودِ واحد اللہ تعالیٰ ہی پر اعتقاد رکھتے چلے آرہے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ دینِ حنیفی کی تعلیمات ماند پڑنے لگیں اور ان میں شرک بال و پر نکالنے لگا، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو معبودِ اکبر قرار دے کر دیگر بے شمار چھوٹے چھوٹے خدا بھی بنا ڈالے تھے۔ اب وہ یہ سمجھنے لگے تھے کہ دنیا کے کاروبار اور روز مرہ کی ضرورتیں انہی چھوٹے خداؤں سے پوری ہوتی ہیں۔ اور اکثر کام انہی خداؤں سے پڑتا ہے، لہٰذا وہ انہی کی پرستش کرنے لگے۔ وہ اپنی حاجتیں انہی سے طلب کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے تو انہیں گویا کوئی کام ہی نہ رہ گیا تھا۔ اس شرکِ اکبر کے علاوہ وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا کرتے تھے، جس کا تذکرہ سورۂ نجم کی ابتدائی آیات میں موجود ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰی"

"جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے، وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں"۔

اس نظریہ پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰی ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰی"

(النجم: ۲۱-۲۲)

"تمہارے تو لڑکے ہوں اور اللہ کی لڑکیاں، یہ تو کچھ اچھی تقسیم نہیں!"

فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد قرار دینے کے بعد عرب ان کی الوہیت کے قائل بھی ہوگئے تھے۔ جیساکہ سورۃ آل عمران کی آیت ۸۰ میں ارشادِ الٰہی ہے:

"وَلَا یَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا"

"اور نہ اللہ تم کو اس کا حکم دیتا ہے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بناؤ!"

یہ لوگ فرشتوں کی عبادت و پرستش کرتے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے سفارشی سمجھتے تھے۔ جیساکہ سورۃ نجم کی آیت ۲۶ میں ارشادِ الٰہی ہے:

"وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْئًا - الآیۃ!"

"اور آسمان میں کتنے فرشتے ہیں کہ ان کی سفارش اللہ کی اجازت کے بغیر کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔"

فرشتوں کی طرح وہ جنوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے رشتہ دار سمجھتے تھے، جیساکہ سورۃ صٰفّٰت آیت ۱۵۸ میں فرمانِ الٰہی ہے:

"وَجَعَلُوْا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا"

"اور مشرکوں نے اللہ اور جنوں کے درمیان رشتہ داری بنائی۔"

نیز وہ جنوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتے تھے، جیساکہ سورۃ الانعام آیت ۱۰۱ میں ارشادِ الٰہی ہے:

"وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَ بَنٰتٍۭ بِغَیْرِ عِلْمٍ" الآیۃ!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"انہوں نے جنوں کو اللہ کا شریک بنایا' حالانکہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں اور جانے بغیر اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں۔"

یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے اور مرادیں مانگا کرتے تھے۔ ہر قبیلے کا اپنا اپنا اور ہر کام کے لئے الگ الگ خدا تھا۔ گھر گھر بت خانے بنے ہوئے تھے۔ ان کے ان معبودانِ باطلہ میں سے سب سے بڑا خدا "ہبل" تھا اور اس کے بعد لات منات اور عزیٰ تھے۔ قرآنِ مجید کی سورۂ نوح میں کچھ اور بتوں کا بھی ذکر آیا ہے جو یغوث' یعوق' نسر' ود' سواع اور یعل کے ناموں سے موسوم تھے۔ بخاری شریف باب فتح مکہ میں مذکور ہے کہ کعبہ شریف اور اس کے اطراف میں تین سو ساٹھ بت تھے' جبکہ بعض عرب قبائل چاند' سورج اور ستاروں کی پوجا کیا کرتے تھے۔

عربوں میں بت پرستی کی ابتداء :

عربوں میں بت پرستی کی ابتداء یوں ہوئی کہ بنو خزاعہ کا ایک شخص عمرو بن لحی' بنو جرہم کو شکست دیکر کعبہ کا متولی بن گیا تھا۔ ایک دفعہ وہ بلقاء گیا' وہاں لوگوں کو بت پرست دیکھ کر بت پرستی کی طرف مائل ہو گیا اور وہیں سے ایک بت "ہبل" لاکر کعبہ میں نصب کر دیا۔ چونکہ اس کا اثر تمام عرب پر تھا' اس لئے تمام عرب نے بت پرستی قبول کر لی اور گھر گھر بت خانے بن گئے۔[9] عمرو بن لحی کے بارے میں ارشادِ نبویؐ ہے :

"رایت عمرو بن لحیّ بن قمعة بن خندف یجرّ قصبه فی النار"[10]

"میں نے عمرو بن لحی بن خندف کو جہنم میں اپنی انتڑیاں گھسیٹتے ہوئے دیکھا ہے"۔

ابنِ اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثم بن جون خزاعی سے یہ فرماتے ہوئے سنا:

"اے اکثم' میں نے عمرو بن لحی کو جہنم میں اپنی انتڑیاں گھسیٹتے ہوئے دیکھا ہے' وہ تیرے بہت ہی زیادہ مشابہ ہے۔"

اکثم نے کہا "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ مشابہت میرے لئے ضرر رساں ہے ؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو آپ ﷺ نے فرمایا ’’ نہیں ! تو مومن ہے اور وہ کافر تھا‘ وہ پہلا شخص تھا جس نے دینِ ابراہیم علیہ السلام‘ اسماعیل علیہ السلام کو بدلا اور بت نصب کیے -- بحیرہ سائبہ‘ وصیلہ اور حامی جیسے مشرکانہ تصورات کو جنم دیا‘‘۔[۱۱]

عربوں میں کہانت بڑے زوروں پر تھی اور کہانت پیشہ لوگ بھی بڑے مقبول تھے۔ کاہنوں اور نجومیوں کی دوکانیں خوب چمکی ہوئی تھیں اور شگون لینے کے لئے پرندے اڑانے اور پانسے نکالنے کا رواج عام تھا۔ اوھام پرستی کا یہ عالم تھا کہ سانپ کو نہیں مارتے تھے اور سمجھتے تھے کہ سانپ مارا جائے تو اس کا جوڑا آکر بدلا لیتا ہے‘ جیسا کہ ابو داؤد شریف (۳۲۶/۲ مجتبائی) میں ان کے اس وہم کا ذکر موجود ہے‘ ان کے جملہ باطل عقائد میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اگر کوئی شخص مظلومیت میں مارا جائے تو اس کے سر سے ایک الّو نکلتا ہے جو ’’ہائے خون‘ ہائے خون‘‘ کہہ کر اس وقت تک چیخ و پکار کرتا رہتا ہے‘ جب تک اس کے قاتل سے بدلہ نہ لے لیا جائے۔[۱۲]

طلوعِ صبحِ سعادت کے وقت عربوں کی اخلاقی حالت :

سطورِ گذشتہ میں ہم نے ولادت و بعثتِ رسول ﷺ کے زمانے میں عربوں کی مذہبی حالت کا ذکر کیا ہے اور جہاں مذہبی طور پر ان لوگوں میں انتہائی ضعف پیدا ہو چکا تھا‘ اور وہ تمام انواع و اقسام کے شرک میں مبتلا تھے‘ وہیں ان کی اخلاقی پستی اور انحطاط بھی انتہاء کو پہنچ چکا تھا۔ یہاں تک کہ ذرا سی بات پر لڑنا مرنا اور مختلف خاندانوں اور قبائل میں جنگ چھڑ جانا کوئی بڑی بات نہ تھی -- ایک ایک لڑائی برسوں تک جاری رہتی تھی۔ نیشاپوری نے اپنی کتاب الامثال میں ایک سو بتیس لڑائیوں کے نام اور وقائع لکھے ہیں۔ یہ وہ لڑائیاں ہیں‘ جو اسلام سے چالیس پچاس سال پہلے سے لے کر ظہورِ اسلام تک ہوئیں۔ بکر و تغلب اور اوس و خزرج کی خونریز لڑائیاں معروف ہیں۔ ایک لڑائی صرف گھوڑ دوڑ میں قواعد کی خلاف ورزی سے شروع ہوئی اور چالیس برس تک قائم رہی۔

ام الخبائث شراب کا اس قدر رواج تھا کہ یہ ان کی عادتِ ثانیہ بن چکی تھی اور تجارت‘ شراب فروشی کی مترادف بن چکی تھی۔ اس کے رواج کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عربی میں شراب کے ڈھائی سو نام ہیں‘ اور علامہ فیروز آبادی نے خاص ناموں پر ایک مستقل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب لکھی ہے۔ یہ مرض ان میں اس قدر رچ بس چکا تھا کہ خود اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کالحاظ رکھتے ہوئے سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۹ سورۃ النساء آیت ۴۳ اور سورۃ المائدۃ آیت ۹۰ میں اس کی حرمت کا حکم بتدریج نازل فرمایا اور تیسری مرتبہ اسے صریحًا حرام قرار دیا۔

شراب نوشی کے ساتھ ہی ان میں قماربازی کا بھی عام رواج تھا۔ امام رازی تفسیر کبیر (۳۳۱،۲) میں لکھتے ہیں:

"قمار وجُوا کی محفلوں میں شریک نہ ہونا قومی عار سمجھا جاتا تھا' شرکت نہ کرنے والوں کو بخیل خیال کیاجاتا اور انہیں "برم" کاخطاب دیا گیا تھا۔ جو لوگ یہ خطاب حاصل کرلیتے' ان سے شادی بیاہ عار سمجھی جاتی تھی۔ اور انتہاء یہ کہ مال و دولت ختم ہوجانے کے بعد وہ بیوی بچوں پر بازی لگادیتے تھے اور چالیس سال تک لڑی جانے والی عبس وذبیان کی جنگ گھوڑ دوڑ کی قمار بازی ہی کا نتیجہ تھی۔

ان لوگوں میں سود خوری بھی عام تھی۔ لوٹ مار' راہزنی اور ڈاکے تو اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ کامیاب ڈاکو اپنے کارناموں کو نظم کرتے اور فخریہ پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ اقتصادی تنگدستی کی وجہ سے بدوؤں حتیٰ کہ عورتوں میں بھی چوری کی عادت پائی جاتی تھی۔ جیسا کہ بنو مخزوم کی ایک عورت کی چوری کا واقعہ معروف ہے' جس کی سفارش کے لئے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا تو اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لو سرقت فاطمۃ بنت محمدؐ لقطعت یدھا"

"اگر فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا"۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری (۱۲،۷۷) میں کلبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ خود قریش کے کئی لوگ بھی اس مرض میں مبتلا تھے۔ انہوں نے خانہ کعبہ کے خزانے سے سونے کا ہرن چرا لیا تھا۔[۱۱] ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں خاص طور سے ابو لہب کا نام لیاجاتا ہے۔

دن رات کی لوٹ مار اور کشت وخون سے ان میں درندوں کے تمام اوصاف پیدا ہو چکے تھے۔ زندہ اونٹ کی کوہان اور دنبے کی چکی کاٹ کر کباب لگاتے اور زندہ جانوروں کو باندھ کر تیراندازی کی مشق کرتے۔ لڑائیوں میں مقتولین کے ناک' کان کاٹ دیتے' عورتیں ان کے ہار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہنا کر پہنتیں اور یہ منّت مانی جاتی کہ دشمن کو ختم کریں گے تو اس کی کھوپڑی میں شراب پییں گے!

اسی طرح زناکاری اور فسق وفجور عام تھے اور یہ واقعات فخریہ اشعار میں بیان کیے جاتے تھے' امرء القیس نے اپنی پھوپھی زاد بہن عنیزہ اور دیگر عورتوں کے ساتھ جو بیحیائیاں کیں' خود اس نے اپنے قصیدہ لامیہ میں مفصل' فخریہ ذکر کی ہیں۔فاحشہ عورتیں اپنے گھروں کے سامنے جھنڈیاں لگا کر بیٹھتیں اور بڑے بڑے رؤساء بھی اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرتے اور ان کی کمائی کھاتے تھے۔ جیسا کہ مسلم شریف میں عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کا واقعہ موجود ہے کہ وہ اپنی دو لونڈیوں میکہ اور رامیمہ کو زناکاری پر مجبور کیا کرتا تھا' جس پر سورۂ نور کی آیت ۳۳ نازل ہوئی' ارشادِ الٰہی ہے:

"وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ ۔ الآیۃ!"

"اور تم اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو"۔

ان میں نکاح کے کئی ایسے طریقے موجود تھے' جو انتہائی حیا سوز تھے۔ شرم و حیاء نام کو نہ تھی۔ ننگے کھلے عام نہاتے (نسائی باب الاستتار عند الغسل) قضائے حاجت کے وقت پردہ نہیں کرتے تھے (ابو داؤد کتاب الطہارۃ) اور کھلی مجلسوں میں اپنی بیویوں سے صحبت کے تمام واقعات بیان کر دیا کرتے تھے (ابو داؤد کتاب النکاح باب مایکرہ من ذکر الرجل) حد تو یہ ہے کہ' صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ یہ لوگ مرد و زن ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے (صحیح مسلم کتاب التفسیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) سوتیلی ماں پر وراثتاً قبضہ کر کے اسے بیوی بنالیتے اور نکاح کی کوئی حد نہ تھی۔ آٹھ آٹھ دس دس شادیاں کرلیتے (ابو داؤد کتاب النکاح) دو حقیقی بہنوں کے ساتھ ایک ہی وقت نکاح کرلیتے تھے اور مجموعی حیثیت سے عورت کو بدترین مخلوق اور عار سمجھتے تھے۔ سورۃ النحل کی آیت (۵۸ ـ ۵۹) میں مذکور ہے کہ اگر کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوجاتی تو اسے سخت رنج ہوتا' شرم سے منہ چھپاتا پھرتا تھا اور پھر پیدا ہوتے ہی لڑکیوں کو زندہ درگور کردینے کی رسم چل پڑی۔ سورۃ التکویر میں "وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ۝ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ" کی تفسیر میں ابنِ جریر و ابنِ کثیر نے لکھا ہے کہ ایک آدمی نے دربارِ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کے سامنے ذکر کیا کہ میں نے اپنے ان ہاتھوں سے آٹھ لڑکیاں زندہ دفن کی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مزید برآں ان میں حلال و حرام کی کوئی تمیز نہ تھی حشرات الارض، چھپکلی، خون اور مردار جانور، غرض ہر چیز کھاجاتے تھے۔[۱]

سیاسی حالت

نبی اکرم ﷺ کی ولادت، یا طلوعِ صبح سعادت کے وقت تمام دنیا کی مذہبی و سیاسی اور خاص طور پر عربوں کی دینی واخلاقی حالت آپ کے سامنے آچکی ہے، اس موضوع کی صرف ایک چیز باقی ہے کہ اس وقت عربوں کی سیاسی حالت کیا تھی؟ ـــــ اس مغلوب نفس اور غلامِ حرص وہوٰی قوم میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو عوام کو اکٹھا کر کے حکومت کی باگ ڈور سنبھال سکتا۔ صرف ایک شخص اپنے قبیلے کا برائے نام حکمران ہوتا تھا، تاہم ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرتا اور اپنے آپ کو کسی کے فیصلے کا پابند نہیں سمجھتا تھا۔ دوسرے ممالک سے بدلہ لینے کے لئے صرف ایک رسم محالفہ قائم تھی، جس میں اس بات کی قسم اٹھائی جاتی تھی کہ ہم ہر معاملہ میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے!

مکہ مکرمہ کی بالائی جانب پہاڑوں کی گود میں خوشگوار فضا والے شہر طائف کے قریب سوقِ عطاظ کے نام سے ایک منڈی لگا کرتی تھی۔ اس موقع پر بہادر لوگ اپنی بہادری کے جوہر دکھاتے، شاعرو انشاء پر داز اپنے اپنے ادبی شہ پارے پیش کیا کرتے تھے۔ جانوروں کی نمائش ہوتی اور تجارتی لین دین کے امور اور بعض دیگر معاملات پر بھی غور کیا جاتا تھا۔۔ آپ اسے ان کی پارلیمنٹ کی سالانہ میٹنگ کہہ لیں، یا کوئی اور نام دے لیں، بس یہی کچھ تھا!

خاندانِ نجعم کا آخری سردار زیاد بن ہیولہ تھا۔ غسانیوں نے اسے کمزور دیکھ کر ملکِ یمن سے آکر اس علاقے پر تسلط جمالیا ۔۔ قباء کو دارالحکومت بنایا، ملکِ عرب پر باقاعدہ حکومت کی بنیاد رکھی اور سلطنتِ روم کو خوش رکھنے کی خاطر کسی حد تک دینِ عیسوی کے زیرِ اثر آگئے۔ غسانیوں کے اس فعل سے جہاں عیسائیت کو کافی تقویت ملی، وہیں شام و فلسطین کے ہزاروں مغرور یہودی بھی یہاں آکر آباد ہونے لگے۔ جنوبی عرب میں بھی ایک حکومت قائم تھی، مگر مذہبی اختلاف کی وجہ سے نہایت ضعیف تھی اور یہی وجہ تھی کہ حبشہ وفارس کی فوجیں آئے دن وہاں آکر تباہی مچاتی رہتی تھی۔ اس وقت فارس یا ایران کا حکمران نوشیرواں اور روم کا فرمانروا ہرقل تھا۔ اور پروفیسر سیڈیو اپنی کتاب "تاریخ العرب" میں لکھتا ہے کہ ملکِ عرب کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنوب پر سلطنتِ حبش، مشرقی حصہ پر فارس اور شمالی اقطاع پر روما کی مشرقی شاخ قسطنطینیہ کا قبضہ تھا۔[۱۵]

ارضِ عرب کے انتہائی جنوب میں سمندر کے کنارے پر آباد یمن پر حبشہ کا ایک جرنیل ابرہہ قابض تھا۔ وہی ابرہہ، جس نے خانہ کعبہ کی عزت و شرف سے بوکھلا کر مسلمانوں کی توجہ ادھر سے ہٹانے کے لئے یمن میں الگ گرجا تعمیر کروایا تھا۔ عرب بت پرستی چھوڑ کر عیسائیت کی طرف مائل نہ ہوئے، تو اس نے لوگوں کو زیارتِ کعبہ کے لئے جانے سے حکماً منع کر دیا۔ حافظ ابنِ کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں امام سہیلی اور ابنِ اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس حکم سے عربوں کی آتشِ غضب بھڑک اٹھی، یہاں تک کہ بنو کنانہ کے کسی بدو نے گرجے میں چپکے سے غلاظت ڈال دی۔ ابرہہ کو معلوم تھا کہ یہ حرکت کسی عرب ہی کی ہوسکتی ہے، لہٰذا اس نے غضبناک ہو کر کعبہ شریف کو گرانے کے ناپاک ارادے سے مکہ معظمہ پر لشکر کشی کی۔ قریب پہنچ کر اہلِ مکہ کے مویشیوں کو پکڑنا شروع کر دیا۔ اور عبدالمطلب، جو ان دنوں قریش کے سردار اور کعبہ کے متولی تھے، ان کے بھی ایک سو اونٹ پکڑ لئے۔ عبدالمطلب اونٹ چھڑانے کے لئے ابرہہ کے پاس گئے تو اس نے کہا کہ میں تو تمہارے کعبہ کو گرانے آیا ہوں، اور تمہیں اپنے اونٹوں کی فکر دامن گیر ہے؟ اس وقت عبدالمطلب نے یہ تاریخی جملہ کہا:

"انّی انا ربّ الابل وانّ للبیت ربٌّ سیمنعہ"[۱۶]

"میں اونٹوں کا مالک ہوں (وہ مجھے لوٹا دو) اور اس گھر یعنی کعبہ کا بھی رب ہے، وہ خود اس کی حفاظت کرے گا"۔

اور ربِ کائنات نے اپنے گھر کی کس طرح حفاظت فرمائی اور دشمنانِ کعبہ کے مذموم ارادوں کو خاک میں ملا کر انہیں کس طرح برباد کیا، اس کا ذکر تیسویں پارے کی سورۃ الفیل میں موجود ہے!

الغرض عربوں کے ان ابتر سیاسی حالات میں اور اس واقعہ فیل کے پچاس دن بعد نبی رحمتہ للعالمین ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان عربوں اور پورے عالمِ انسانیت کی رہنمائی کے لئے منتخب فرمایا تھا!

آفتابِ نبوت کے لئے ملکِ عرب کا انتخاب کیوں؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملکِ عرب اتنے گئے گزرے لوگوں کا خطہ تھا کہ مذہبی' اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے وہ پستی کی انتہاء کو پہنچ چکے تھے' جیساکہ کتبِ تاریخ و سیرت کے حوالے سے ہم نے ذکر کیا ہے۔۔ تو پھر سوال یہ ہے کہ ان حالات میں نبی اکرم ﷺ کو مبعوث فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس ملک کا انتخاب ہی کیوں کیا؟ اس کا جواب خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی سورۂ انعام آیت ۱۲۵ میں دیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

"اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ"

"اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے' کہ اپنی پیامبری کا کام کس سے لے اور کس طرح لے؟"

اس سے معلوم ہوا کہ ملکِ عرب کا انتخاب اور اسے خلعتِ رسالت سے سرفراز کرنے میں جو حکمتِ الٰہی کارفرما تھی' اسے بہتر تو وہی جانتا ہے' البتہ عقلی نقطہ نظر سے بھی یہ انتخاب نہایت موزوں اور مفید تھا۔ ہم جب ملکِ عرب کو کرۂ ارض کے نقشہ پر دیکھتے ہیں' تو اس کے محلِ وقوع ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے براعظم ایشیا' یورپ اور افریقہ کے وسط میں جگہ دی ہے اور وہ خشکی و تری کے راستوں سے دنیا کو اپنے دائیں اور بائیں ہاتھ سے ملا کر ایک کر رہا ہے' لہٰذا اگر تمام دنیا کی ہدایت کے لئے کسی جگہ پر کوئی مرکز قائم کرنا ہو اور اس کے لئے جگہ کا انتخاب کرنا چاہیں' تو ملکِ عرب ہی اس کے لئے موزوں ہے۔ خصوصاً اس زمانے پر نظر کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب افریقہ' یورپ اور ایشیا کی تینوں بڑی سلطنتوں کا تعلق عرب سے تھا' تو وہاں کی آواز ان براعظموں میں بہت جلد پہنچ جانے کے ذرائع بخوبی موجود تھے۔ قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں' رب العالمین نے اسی لئے نبی اکرم ﷺ کو عرب میں پیدا فرمایا اور ان کو بتدریج قوم' ملک اور عالم کی ہدایت کا کام سپرد کیا۔

علمِ جغرافیہ کی رو سے جب ہم کرہ ارض پر آباد دنیا کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جنوب میں زیادہ سے زیادہ چالیس درجہ عرض بلد اور شمال میں زیادہ سے زیادہ اسی درجے تک آبادی ہے۔ دونوں کا مجموعہ ایک سو بیس درجے اور نصف ساٹھ ہوا۔ جب ساٹھ کو اسی درجے شمال سے تفریق کریں' تب بیس رہ جاتے ہیں۔ اور جب ساٹھ میں سے چالیس درجہ جنوبی کو تفریق کر دیں تو بھی بیس درجہ شمالی رہ جاتے ہیں' جب کہ مکہ معظمہ ساڑھے اکیس درجے پر آباد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ اس لئے کل کرہ ارض میں یہی وسط ہونے کا درجہ رکھتا ہے۔

اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ مکہ کا نام کتبِ لغت میں "نافِ زمین" ہے۔ اور انسان کے جسم میں ناف بھی ٹھیک وسط میں نہیں ہوتی، بلکہ تقریباً وسط میں ہوتی ہے۔ عرض بلد میں مکہ وسطِ حقیقی کے قریب تر واقع ہے۔ صرف ڈیڑھ درجے کا جو تفاوت ہے، وہ اس لئے ہے کہ مکہ نافِ زمین ثابت ہو۔ اب یوں سمجھیں کہ ملکِ عرب پندرہ سے پینتیس درجہ ہائے عرض بلد شمالی پر واقع ہے۔ اور انہی خطوط کے اندر دنیا کی تمام مشہور نسلیں اس طرح مقیم ہیں کہ مشرق میں آریہ و منگول اور مغرب میں حبش ہامائٹ (نسل عام) اور (امریکہ کے اصلی باشندے) ریڈ انڈینز ہیں۔ اور جب کل قوموں میں تبلیغ کا پہچانا مدِ نظر ہو تو عرب ہی اس کا مرکز قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور شاید اسی لئے قرآنِ مجید کی سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۳ میں فرمایا گیا ہے:

"وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا۟ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ" ۱۴۳

"اور اسی طرح تو ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا تاکہ قوموں کے ساتھ تم اللہ تعالیٰ کی شہادت ادا کرو، اور رسول ﷺ تمہارے سامنے اللہ کی شہادت ادا کریں"

زمین کے وسط میں آباد ہونے ہی کی وجہ سے عرب مجاہدینِ اسلام ایک طرف عراق سے ہوتے ہوتے ایران، ترکستان، سیستان، کابل اور ہندوستان تک پہنچ گئے، تو دوسری طرف شام سے ہوتے ہوتے مصر، افریقہ، الجزائر، تیونس، مراکش اور اسپین تک جا پہنچے جبکہ بحری راستوں سے ایک طرف تمام جزائر افریقہ، حبشہ، زنجبار، پھر ادھر جزائر ہند، جاوہ، سماٹرا اور چین تک ان کا گزر ہوا، اور دوسری طرف سائپرس، کریٹ اور سسلی تک ان کا پرچم لہرایا۔ یہ تمام مواقع اس لئے میسر آئے کہ عرب کا جائے وقوع اس دعوتِ اسلامی کے لئے مناسب مرکز تھا اور اس وقت تک دنیا جن دو مشرقی اور مغربی طاقتوں کے زیرِ فرماں تھی، ان دونوں کے زور کو ایک ساتھ توڑنے کے لئے ملکِ عرب کے سوا دنیا میں دوسری جگہ موزوں نہ تھی۔ ۱۷

عطائے خلعتِ نبوت کے لئے قومِ عرب ہی کیوں؟

نبی رحمت ﷺ کی ولادت کے زمانے میں قومِ عرب ہر قسم کی دینی، اخلاقی اور معاشرتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برائیوں میں مبتلا ہو چکی تھی' تو سوال یہ ہے کہ پھر عطائے خلعتِ نبوت کے لئے اسی قوم کا انتخاب کیوں کیا گیا؟ اس کا پہلا جواب تو وہی ہے' جو اللہ تعالیٰ نے سورۃ انعام کی آیت ۱۲۴ میں دیا ہے کہ:

"اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ"

"اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیامبری کا کام کس سے لے اور کس طرح لے؟"

البتہ عقلی نقطہ نظر سے بھی قومِ عرب کا انتخاب ہی موزوں اور مفید تھا۔ کیونکہ تمام مفاسد اور برائیوں کے باوجود ان میں کچھ ایسی خصوصیات بھی تھیں' جو دنیا کی تمام قوموں میں سے انہی کے ساتھ مخصوص تھیں۔ اور غالباً ان کی انہی عصری و طبعی خصوصیات و امتیازات کا اثر تھا کہ خلّاقِ فطرت نے ان کو اپنی نبوت و رسالت اور تعلیم و شریعت کا اہل سمجھا اور انہیں اپنے اس خلعتِ خاص سے نوزا۔

۱۔ ان خصوصیات میں سے سب سے پہلی چیز ان کا نسب ہے

اہلِ عرب کو اپنے حسب و نسب کی حفاظت کا جو خیال و لحاظ تھا' اس کے ذکر سے عرب کی تاریخیں معمور ہیں۔ حسب پر فخر کرنا ان کی شاعری کا اور نسبی مفاخرت ان کی تقریر کا سب سے بڑا موضوع تھا۔ اپنے باپ داداؤں کا نسب نامہ یاد رکھنا وہ اپنا خاندانی فرض سمجھتے تھے۔ اور ہر قبیلہ میں کچھ ماہرینِ انساب موجود ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان کے اکابر و مشاہیر کا سلسلہ نسب معلوم ہو سکتا ہے' اور ان کی اس صفتِ خاص کا اعتراف خود نصارائے مغرب اور یہود نے بھی کیا ہے۔ یہ اعترافات ریورنڈ ماسٹر کے ۱۸۴۴ء کے لکھے ہوئے عرب کے "جغرافیہ" ۱۸۲۲ء میں طبع ہونے والے جارج سیل کے انگریزی ترجمہ قرآن کے مقدمہ' جلد اول ص ۲۵ پر قدیم یہودی مورخ یوسینوس کا اعترافِ صحتِ نصبِ عرب اور دورِ حاضر کے ایک یہودی فاضل کی کتاب "تاریخ الیہود فی بلاد العرب" ص ۷۵ - ۷۶ پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ جن کی قدرے تفصیل سیرت النبی ﷺ (ج۱ ص ۱۳ -- ۲۹۲) پر بھی ہے۔ اور سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "ارض القرآن" جلد اول صفحہ ۱۱۶ -- ۱۰۷ پر مدلل بحث' اور علمائے مغرب کے اقوال جمع کر دیئے ہیں۔

نسب بجائے خود تو کوئی فخر کی چیز نہیں' اسی لئے پیغمبرِ اسلام ﷺ نے اس کا ہمیشہ کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاتمہ کردیا ہے۔ لیکن دعائے خلیل علیہ السلام کے پورا ہونے اور اس کے لئے نبی اکرم ﷺ کے اصلی و حقیقی مصداق بننے کے لئے نسلِ ابراہیم علیہ السلام کی صحتِ نسبی ضروری تھی۔ یہودی اسرائیل بھی اگرچہ اولادِ ابراہیم علیہ السلام سے تھے، مگر دوسری قوموں کے اختلاط اور کوئی خاص وطن نہ ہونے کی وجہ سے ان کی اکثر خاندانی خصوصیتیں مٹ گئیں۔ چنانچہ صحتِ نسب کا شرف صرف عربوں کے ساتھ مخصوص ہوگیا!

۲۔ دوسری خاص صفت یہ تھی کہ وہ اگرچہ ہر چہار سو سے مختلف مذاہب سے ٹکرا رہے تھے، جیسا کہ مجوسیت خلیج فارس سے لے کر یمن تک حکمران تھی۔ یہودیت یمن اور حجاز کی تجارت گاہوں پر قابض تھی۔ عیسائیت یمن سے لے کر شام تک پھیلی ہوئی تھی اور بعض افراد و قبائل برائے نام عیسائی بھی بن چکے تھے، مگر پورا عرب بدستور اپنی خالص حالت پر ہی تھا[۱۹]، اور کوئی مذہب بھی حقیقی طور پر انہیں فتح نہیں کرسکا۔ ان کے نیک طبع اور دیندار لوگ اپنے آپ کو دینِ ابراہیمی کے پیرو کہلاتے تھے۔ یہ سب اس لئے ہو رہا تھا کہ خاتم الانبیاء ﷺ کے ذریعے دینِ ابراہیمی کی دعوت و تجدید کا دروازہ کھلا ہے۔

۳۔ تیسرا خاص وصف یہ تھا کہ عرب اور خصوصاً شمالی عرب ہمیشہ آزاد رہا، انہوں نے کبھی کسی کی غلامی قبول نہیں کی۔ بابل کے بخت نصر نے بنی اسرائیل کو زیر و زبر کردیا، مگر عرب کی طرف آنکھ اٹھاکر نہ دیکھ سکا، یونانیوں اور رومیوں نے مصر سے لیکر عراق کی سرحد تک صدیوں حکومت کی، مگر خاص عرب کے اندر قدم نہ رکھ سکے۔ سکندر اور اس کے بعد والے رومی سپہ سالاروں نے جب بھی ادھر نظر اٹھائی تو فطرت نے ہمیشہ انہیں شکست دی۔ ملکِ عرب دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتوں یعنی ایران و روم کی سرحد پر واقع تھا، مگر وہ دونوں اپنی حرص و آرزو کا ہاتھ اس کی طرف بڑھانے سے قاصر رہے۔ گستاخ عیسائی حبشیوں (ابرہہ اور اس کے لشکر) نے فتحِ یمن کے بعد ہاتھیوں کے ریلے کے ساتھ مکہ معظمہ پر چڑھائی کی، مگر قدرتِ الٰہی نے انہیں تباہ کردیا[۲۰] اور قدرت کی طرف سے یہ اہتمام اس لئے ہو رہا تھا کہ کوئی جابرانہ قوت ان کے دل ودماغ کی استعداد کو برباد نہ کرسکے۔ ان کی روحِ آزادی برقرار اور فاتحانہ طاقت بدستور قائم رہے، تاکہ یہ مخفی خزانہ دینِ اسلام کی حکومت کے قیام و بقا میں کار آمد ہو۔

۴۔ ان میں چوتھی صفت یہ تھی کہ وہ جس طرح خارجی اثرات سے پاک تھے، ایسے ہی صحیفہ فطرت کے سوا ہر قسم کے محرف و فاسد کتابی علم سے بھی ناآشنا تھے۔ وہ اُمّی تھے، تاکہ ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُمّی معلم کی زبانی تعلیم کے قبول کرنے کے لئے ہر طرح تیار رہیں۔

۵۔ پانچویں صفت یہ کہ یہ قوم دیگر اقوامِ عالم کے وسط میں آباد تھی اور خیر الامم بننے کے لئے جن اخلاقی خوبیوں کی ضرورت تھی وہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ مثلاً وہ حد سے زیادہ بہادر تھے کہ قیصر و کسریٰ کو انہوں نے ایک ساتھ چیلنج کردیا۔ وہ پرجوش و پرعزم تھے، انہوں نے توحید کا علم لئے بحر و بر اور دشت و جبل تو کیا تمام ارکانِ عالم کو اپنے عزمِ راسخ سے متزلزل کردیا۔ وہ حق گو تھے، جو بات دل میں ہوتی، وہی زبان پر لاتے۔ اگرچہ ظاہری نوشت و خواند سے عاری تھے، مگر فطرت کے عطیہ، عقل و دانش سے بہرہ ور تھے۔ وہ ذہین اور قوی الحافظہ تھے، فیاض اور مہمان نواز تھے، خوددار اور مساوات پسند تھے، صرف گفتار ہی کے نہیں، بلکہ وہ کردار کے بھی غازی تھے۔ اگر مگر، قیل و قال، خیال آرائی، تخیل پسندی، نظریہ بازی اور نقطہ آفرینی کے قائل نہیں، بلکہ سراسر عملی لوگ تھے۔ ان تمام طبعی و فطری اوصاف و اخلاق کو دیکھ کر یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ قوم آخری دین کے لئے ازل ہی سے منتخب ہو چکی تھی [۲۱]۔

حوالہ جات

۱۔ سیرت النبی ﷺ شبلی نعمانی و ندوی ۱/۲۰۹۔۲۱۱

۲۔ تاریخ غرر اخبار الفرس للثعالبی ص ۲۷ طبع پیرس بحوالہ سیرت النبی ﷺ

۳۔ مؤرخوں کی تاریخ عالم جلد ہشتم ص ۸۴

۴۔ تاریخ غرر اخبار الفرس للثعالبی ص ۵

۵۔ تاریخ زوال و انحطاطِ سلطنتِ روم ۳/۲۷۳ بحوالہ سیرت النبی ﷺ شبلی نعمانی ۱/۲۰۔ ۲۱۹

۶۔ یہ ایک امریکی مصنف ہے، جس کا پورا نام "John William draper" ہے۔ اور اس کی کتاب کا نام "Conflict Between Religion and Science" ہے

۷۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سیرت النبی ﷺ ۱/۱۴۱۔۲۱۱

۸۔ مزید وضاحت کے لئے دیکھئے سورۃ الزخرف اور الصافات

۹۔ سیرت النبی ﷺ ۱/۲۴۷ ابن ہشام ۱/۷۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۰۔ بخاری مع الفتح ۶؍۷ ۵۴۷ طبع دار الافتاء

۱۱۔ سیرت ابنِ ہشام ۱؍۷۶

۱۲۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سیرت النبی ﷺ ۴؍۱۴۱۔۲۴۲، رحمتہ للعالمینؐ ۱؍۳۰۔۔ ۳۱

۱۳۔ مروج الذھب میں مسعودی نے لکھا ہے کہ اہلِ فارس شروع شروع میں کعبہ شریف کے لئے مال و جواہر کے ہدیئے بھیجا کرتے تھے اور ساسان بن مالک نے سونے کے دو ہرن، زرو جواہر اور تلواریں ہدیہ بھیجی تھیں۔ مروج الذھب ۱؍۲۰۵ بحوالہ "الرّحیق المختوم" ص ۴۳، حاشیہ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری طبع رابطہ عالمِ اسلامی مکۃ المکرمۃ

یاد رہے کہ جناب مبارکپوری کی اس کتاب پر موصوف کو ۱۳۹۸ھ؍ ۱۹۷۸ء میں رابطہ عالمِ سلامی مکہ مکرمہ کی طرف سے پچاس ہزار سعودی ریال انعام (فرسٹ پرائز) دیا گیا تھا۔ اور یہ کتاب بھی رابطہ نے اپنے خرچ پر چھاپ کر فری تقسیم کی ہے۔

۱۴۔ "اسباب النزول للسیوطی آیت "وحرّمت علیکم المیتۃ!"

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے سیرت النبی ﷺ ۴؍۹۱ ۔۔ ۳۶۱، رحمتہ للعالمینؐ ۱؍۳۰۔۳۱

۱۵۔ تاریخ العرب ص ۴۰ بحوالہ رحمتہ للعالمینؐ ص ۳۰

۱۶۔ البدایہ والنّہایہ جلد اول، جزء ثانی ص ۱۷۰۔ ۱۷۱ ۔ ۱۷۲

۱۷۔ رحمتہ للعالمین ﷺ ۱؍۳۰۔۳۱

۱۸۔ سیرت النّبی ﷺ ۴؍۲۹۶

اور اسی موضوع کو ڈاکٹر محمد سعید رمضان الیوطی (دمشق) نے اپنی کتاب "فقہ السیرۃ" ص ۳۷ تا ۴۲ طبع ہشتم پر بھی بیان کیا ہے

۱۹۔ سیرت النّبی ﷺ ۴؍۹۵ ۔ ۲۹۴

۲۰۔ سیرت النّبی ﷺ ۴؍۲۹۵

۲۱۔ سیرت النّبی ﷺ جلد چہارم ص ۲۹۲ تا ۳۰۱

© rasailojaraid.com